



Content for Essay Writing Competition for Intermediate / Degree & Post Graduate students

فتح مکہ

6ھ میں جو معاہدہ قریش نے نبی ﷺ سے بمقام حدیبیہ کیا تھا۔ اس کی ایک دفعہ میں یہ تھا کہ دس سال جنگ نہ ہوگی اس شرط میں جو قو میں نبی ﷺ کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں اور جو قریش کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں۔

اس کے موافق بنی خزاعہ نبی ﷺ کی طرف اور بنو بکر قریش کی طرف مل گئے تھے، معاہدہ کو ابھی دو برس بھی نہ پورے ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے بھی اسلحہ سے امداد دی، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو (معاہدہ پر اسی نے دستخط کئے تھے) صفوان بن امیہ (مشہور سردار ان قریش) خود بھی نقاب پوش ہو کر مع اپنے حوالی و موالی بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے، ان بیچاروں نے امان بھی مانگی، بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ لی مگر ان کو ہر جگہ تلاش کیا گیا، جب یہ مظلوم (الْهَآءِ الْهَآءِ) اپنے خدا کے واسطے (کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا يَوْمَهُ (آج خدا کوئی چیز نہیں)

مظلوموں کے بچے کچے چالیں آدمی جنھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی مظلومی و بربادی کی داستان سنائی، عمرو بن سالم خزاعی نے پُر درد نظم میں تمام واقعات گوش گزار کئے، اس کے چند اشعار کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

ترجمہ: ”قریش نے آپ ﷺ سے وعدہ خلائی کی، انھوں نے مضبوط معاہدہ کو جو آپ ﷺ سے کیا تھا توڑ ڈالا، مقام کداء میں لوگوں کو گھات میں لگا دیا، وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کو کوئی نہیں آنے کا، وہ ذلیل ہیں اور قلیل ہیں، انھوں نے تیر میں ہم کو سوتے میں جالیا، ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں پارہ پارہ کر دیا۔

معاہدے کی پابندی، فریق مظلوم کی دادرسی سن کر آئندہ حفاظت کی غرض سے نبی ﷺ مکہ کی جانب سوار ہو گئے، دس ہزار کی جمعیت ہمراہ تھی، دو منزل چلے تھے کہ راہ میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اور عبد اللہ بن ابوامیہ آنحضرت ﷺ سے ملے۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نبی ﷺ کو سخت ایذائیں دی تھیں اور اسلام کے مٹانے میں بڑی کوششیں کی تھیں، آنحضرت ﷺ نے انھیں دیکھا اور رخ پھیر لیا، ام المؤمنین ام سلمہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبد اللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا ہے، اتنے قریبی تو مرحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جن الفاظ میں برادران یوسف نے معافی کی درخواست کی تھی تم بھی آنحضرت کی

خدمت میں جا کر انھیں الفاظ کا استعمال کرو، نبی ﷺ کے عفو و کرم سے امید ہے کہ ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔
 انھوں نے نبی ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر یہ آیت پڑھی: تَاللّٰهُ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ
 رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ اَلْيَوْمَ يَعْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ
 اس وقت ابوسفیان نے جوش و نشاط سے یہ اشعار پڑھے جس کا ترجمہ ہے:

”قسم ہے کہ جن دنوں نشان جنگ اس لئے اٹھایا کرتا تھا کہ لات (بت کا نام) کا لشکر محمد (ﷺ) کے لشکر پر غالب آجائے، اُن دنوں میں
 اس خار پشت جیسا تھا جو اندھیری رات میں ٹکریں کھاتا ہو، اب وقت آ گیا ہے کہ میں ہدایت پاؤں اور سیدھے رستہ جاؤں، مجھے ہادی نے نہ کہ میرے
 نفس نے ہدایت دی ہے اور خدا کا راستہ مجھے اس شخص نے بتایا ہے جسے میں نے دھتکار دیا اور چھوڑ دیا تھا۔“
 نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! تم تو مجھے چھوڑتے ہی رہے تھے۔

نبی ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ اہل مکہ کو اس آمد کی خبر نہ ہونے پائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ تک پہنچ کر باہر خیمہ زن ہو
 گئے، تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ آگ کے چراغ روشن کئے جائیں، چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی، اس وقت ابوسفیان بن حرب جاسوسی کی غرض سے اور
 حالات کا اندازہ کرنے کے لئے ادھر سے گزرے اور ان کے منہ سے نکلا کہ اس شان کا لشکر اور اس طرح کی روشنی تو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی
 تھی، حضرت عباس بن عبدالمطلب اس سے پہلے ہجرت کر چکے تھے اور اس لشکر میں موجود تھے، انہوں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور کہا دیکھو رسول
 اللہ ﷺ لوگوں میں تشریف فرما ہیں، کل قریش کا انجام کتنا ہولناک ہوگا، پھر یہ سوچ کر کہ کوئی مسلمان ان کو دیکھ لے گا تو فوراً ان کا کام تمام کر دے گا، اپنے
 خنجر کے پیچھے انہیں سنبھال لیا اور نبی کے پاس لائے، جب آپ ﷺ کی نظر مبارک ان پر پڑی تو آپ نے فرمایا، ابوسفیان تمہارا بھلا ہو کیا ابھی تک
 اس کا وقت نہیں آیا کہ تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، انہوں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم ہیں
 اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، خدا کی قسم میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کا وجود ہوتا تو آج میرے کچھ کام آتا، آپ ﷺ نے
 فرمایا: ابوسفیان خدا تمہیں سمجھ دے کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ
 آپ پر قربان! آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے اس بارے میں مجھے ابھی شبہ ہے، حضرت
 عباس نے فرمایا بندہ خدا! قبل اس کے کہ تمہاری گردن تلوار سے اڑادی جائے اسلام قبول کر لو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ
 کے رسول ہیں، یہ سن کر ابوسفیان اسلام لائے اور شہادت دی یعنی اسلام میں داخل ہو گئے۔

معافی کی صدائے عام

رسول اللہ ﷺ نے معافی اور امن و حفاظت کا دائرہ اس روز وسیع فرما دیا کہ اہل مکہ میں سے صرف وہی شخص ہلاک ہو سکتا تھا جو خود معافی اور
 سلامتی کا خواہشمند نہ ہو اور اپنی زندگی سے بیزار ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو پناہ ملے گی، جو اپنے گھر کا
 دروازہ بند کر لے گا وہ محفوظ ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہوگا اس کو امن ہے، رسول اللہ ﷺ نے اہل لشکر کو ہدایت فرمائی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت
 صرف اس شخص پر ہاتھ اٹھائیں جو انکی راہ میں حائل ہو اور ان کی مزاحمت کرے، آپ ﷺ نے اس کا بھی حکم فرمایا کہ اہل مکہ کی جانداد کے بارے
 میں مکمل احتیاط برتی جائے اس میں مطلق دست درازی نہ کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت کی کہ ابوسفیان کو ایسی جگہ لے جائیں جہاں سے اسلامی دستوں کی پیش قدمی کا
 نظارہ ہو سکے، یہ فاتحانہ دستے سمندر کی موجوں کی طرح چمکدار نظر آتے تھے، مختلف قبائل اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ گزر رہے تھے، جب کوئی قبیلہ

گذرتا تو ابوسفیان، عباسؓ سے اس کا نام دریافت کرتے اور کہتے کہ مجھے اس قبیلہ سے کیا سروکار ہے۔

یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس ایک مسلح دستے میں تشریف لائے جو سب معلوم ہو رہا تھا، یہ مہاجرین اور انصار کا آہن پوش دستہ تھا کہ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں، ابوسفیان نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ خدا کی شان عباس یہ کون لوگ ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو مہاجرین اور انصار کے جلوس میں تشریف لے جا رہے ہیں، انھوں نے کہا ان میں سے کسی کو اس سے پہلے یہ طاقت اور شان و شوکت حاصل نہیں تھی، خدا کی قسم اے ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کا اقتدار آج کی صبح کتنا عظیم ہے، انھوں نے کہا، ابوسفیان! یہ نبوت کا معجزہ ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان نے بلند آواز سے یہ اعلان کیا کہ اے قریش کے لوگو! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنی طاقت کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں جس کا تم کو کبھی تجربہ نہ ہوا ہوگا، اب جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے گا اس کو امان دی جائیگی، لوگ یہ سن کر کہنے لگے، اللہ تم سے سمجھے تمہارے گھر کی حقیقت ہی کیا ہے کہ ہم سب کو اس گھر پناہ مل سکے؟ پھر انھوں نے کہا، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو امان ملے گی، جو مسجد (مسجد حرام) میں چلا جائے گا اس کو بھی امان ملے گی، چنانچہ لوگ منتشر ہو گئے اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام میں پناہ گیر ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ مکہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ سر مبارک عبدیت و تواضع کے غلبے سے بالکل جھک گیا تھا، قریب تھا کہ آپ ﷺ کی ٹھوڈی اونٹ کے کجاوے سے لگ جائے آپ ﷺ داخل ہوتے وقت سورہ فتح پڑھ رہے تھے۔

مکہ کے اس فاتحانہ داخلے میں (جو جزیرۃ العرب کا قلب و جگر اور روحانی و سیاسی مرکز تھا) عدل و مساوات تواضع اور اظہار عبدیت کا کوئی انداز نہ تھا جس کو آپ ﷺ نے اختیار نہ فرمایا ہو، اسامہؓ کو جو آپ ﷺ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت زید کے صاحبزادے تھے، آپ ﷺ نے اپنی سواری کے پیچھے جگہ دی، بنی ہاشم اور اشراف قریش میں سے جن کی بڑی تعداد وہاں موجود تھی یہ شرف کسی کو حاصل نہ ہوا، فتح مکہ کے روز ایک شخص نے آپ سے گفتگو کی تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی، آپ ﷺ نے فرمایا ڈرو نہیں اطمینان رکھو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔

معافی اور رحم کا دن ہے خونریزی کا نہیں

جب حضرت سعد بن عبادہؓ جو انصار دستہ کے امیر تھے، ابوسفیان کے پاس سے گزرے، انھوں نے کہا: "الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، الْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ، الْيَوْمَ أَذَلَّ اللَّهُ قُرَيْشًا" (آج گھمسان کا دن ہے اور خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا ہے) جب رسول اللہ ﷺ اپنے دستے میں ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے آپ سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے سنا سعد نے ابھی کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا کہا ہے؟ انھوں نے وہ سب دہرایا سعد کے جملے کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا اور فرمایا: "الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ الْيَوْمَ يُعِزُّ اللَّهُ قُرَيْشًا، وَيُعْظِمُ اللَّهُ الْكَعْبَةَ" (نہیں! آج تو رحم و معافی کا دن ہے آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا اور کعبہ کی عظمت بڑھائیگا)

آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوایا بھیجا اور اسلامی پرچم ان سے لیکر ان کے صاحبزادے قیس کے حوالے کیا ہے آپ ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو پرچم دینے کے معنی یہ ہوں گے گویا پرچم ان سے واپس نہیں لیا گیا ہے۔

اس طرح ایک حرف کی تبدیلی (الملحمة کے بجائے المرحمة فرما دینے) اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تبدیل کر دینے سے (جن میں سے ایک باپ کا ہاتھ تھا دوسرا بیٹے کا) آپ ﷺ نے سعد بن عبادہؓ (جن کے ایمانی اور مجاہدانہ کارنامے اظہر من الشمس تھے) کی ادنیٰ دل شکنی کے بغیر ابوسفیان کی (جن کی تالیف قلب کی ضرورت تھی) دل جوئی کا سامان ایسے حکیمانہ بلکہ معجزانہ طریقہ پر انجام دے دیا جس سے بہتر طریقہ پر تصور میں

آنا مشکل ہے، باپ کے بجائے ان کے بیٹے کو یہ منصب عطا کر دیا، جس سے ابوسفیان کے زخم خوردہ دل کی تسکین منظور تھی، دوسری طرف آپ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو آزرده خاطر نہیں دیکھنا چاہتے تھے، جنہوں نے اسلام کے لئے بڑی خدمات انجام دی تھیں۔

معمولی جھڑپیں

اس موقع پر صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابو جہل، سہیل بن عمرو اور خالد بن ولید کے ساتھیوں کے درمیان کچھ جھڑپیں ہوئیں، جن میں تقریباً ایک درجن مشرکین مارے گئے، اس کے بعد انہوں نے شکست قبول کر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کے سالاروں کو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوں تو صرف ان پر ہاتھ اٹھائیں جو ان پر ہاتھ اٹھائے۔

حرم سے بتوں کی صفائی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے مقام پر پہنچ گئے، اور لوگ بھی مطمئن ہو گئے تو اس وقت آپ ﷺ باہر تشریف لائے، بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں جا کر بیت اللہ کے گرد طواف کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک کمان تھی، کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ﷺ اس کمان سے ان بتوں کو نچتے تھے، اور فرماتے تھے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (سورہ اسراء: 81)

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

اسی کے ساتھ یہ تمام ایک ایک کر کے منہ کے بل گرتے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں کچھ تصویریں اور شبیہیں بھی نظر آئیں اور آپ ﷺ کے حکم سے ان کو بھی توڑ پھوڑ دیا گیا۔

جب آپ ﷺ نے طواف پورا فرمایا تو عثمان بن طلحہ کو جو کعبہ کے نگہبان تھے بلوایا، کعبہ کی چابی ان سے لی دروازہ کھولا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے، اس سے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت سے قبل ایک دن یہ چابی طلب فرمائی تھی، تو انہوں نے سخت جواب دیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہانت آمیز گفتگو کی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیم اور بردباری سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا تھا، عثمان! تم یہ کلید کسی وقت میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس وقت میں جسے چاہوں گا اسے یہ دوں گا اس کے جواب میں انہوں نے کہا تھا، اگر ایسا ہوا تو وہ دن تو قریش کی بڑی ذلت و تباہی کا ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس دن وہ آباد اور باعزت ہوں گے یہ الفاظ عثمان بن طلحہ نے دل نشیں کر لیے اور انہوں نے محسوس کیا کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کبھی آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا، اللہ آپ پر درود و سلام بھیجے آپ سقایہ (پانی پلانے کا انتظام) کے ساتھ حجابہ (بیت اللہ کی دربانی) بھی ہمیں عطا فرمائیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: الْيَوْمَ يَوْمُ الْبِرِّ وَالْوَفَاءِ

(آج کا دن تو سلوک کرنے، پورے عطیات دینے کا ہے) پھر عثمان کو بلایا انہی کو چابی مرحمت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تم سے یہ چابی چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

عرب میں دستور تھا کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پا جاتا تھا یعنی اگر اس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھ لیا جاتا اور سیکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلہ کے

آدمی قتل کرتے تھے، اسی طرح خوں بہا کا مطالبہ بھی باپ دادا سے چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اسی طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہو گئی تھیں، اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا اور اس بناء پر آپ ﷺ نے انتقام اور خوں بہا اور تمام غلط مفاخرات کی نسبت فرمایا کہ میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا۔

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بناء پر ہر قوم میں فرق مراتب قائم کئے گئے تھے، جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں، اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے، اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے آگے نہ بڑھے۔

اللہ کا سب سے بڑا احسان ہوا جو اس نے تمام دنیا پر، مساوات عام قائم کیا، یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل، شاہ و گدا سب برابر ہیں، ہر شخص ترقی کے ہر انتہائی درجہ تک پہنچ سکتا ہے، اس بناء پر آنحضرت نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو قریش کے چہرے سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے آگے تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کا بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کیں تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لوہا نہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سو کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکاراٹھے کہ: اُخ کریم وابن اخ کریم" آپ شریف بھائی ہیں اور شریف برادر زادہ ہیں۔

ارشاد ہوا: لَا تَقْرِبْ عَلَیْكُمْ الْیَوْمَ الْمَذْهَبَ، فَاَنْتُمْ الطُّلَقَا!

تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ، تم سب آزاد ہو، کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وقت تھا کہ ان کو حقوق دلائے جاتے لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے، ان کی آتش غیرت پھر مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا ”خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھالیا“ ایک اور سردار قریش نے کہا اب جینا بے کار ہے۔

مقام صفائیں آپ ایک بلند مقام پر جا بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مردوں کی باری ہو چکی، تو مستورات آئیں عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا، پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آپ ﷺ دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے، آپ ﷺ کے بعد عورتیں اس پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔

رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے، ان میں صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلا وطن ہوا جاتا ہے، آپ ﷺ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا۔ عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے، جنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے۔

عبداللہ بن زُہری عرب کا شاعر جو آنحضرت ﷺ کی ہجو کیا کرتا اور قرآن مجید پر نکتہ چینیوں کرتا تھا، نجران بھاگ گیا لیکن پھر آ کر اسلام

لایا۔

حارث بن ہشام کی صاحبزادی ام حکیم عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ تھیں، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور مکہ میں آئے، آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر ان سے بیعت لی۔ وحشی کو بھی معافی دی گئی جس نے امیر حمزہؓ کو دھوکہ سے مارا تھا اور پھر لغش کو بے حرمت کیا تھا۔

فتح کے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے فضالہ بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر ڈالے، جب وہ اس ارادہ سے قریب پہنچا تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا فضالہ آتا ہے؟“ فضالہ ہاں!

نبی ﷺ نے فرمایا تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟“ فضالہ نے کہا کچھ نہیں، میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا۔

نبی یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا اچھا تم اپنے خدا سے اپنے لئے معافی کی درخواست کرو یہ فرما کر اپنا ہاتھ بھی اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے اطمینان قلب حاصل ہوا اور آنحضرت ﷺ کی محبت اس قدر میرے دل میں پیدا ہو گئی کہ حضور سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔ میں یہاں سے گھر کو چلا راستہ میں میری معشوقہ ملی جس کے پاس میں بیٹھا کرتا تھا، اس نے کہا فضالہ ایک بات سنتے جاؤ، میں نے جواب دیا نہیں، نہیں! خدا اور اسلام ایسی باتوں سے مجھے منع کرتے ہیں۔